حکمت اقبال (۴۳)

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم

خودی اور نشرِ توحید

مومن کا میدانِ کار

جب مومن کی خودی میں انقلاب آتا ہے تو وہ نہ صرف بے پناہ قوتِ عمل کا مالک بن جاتا ہے بلکہ اس قوتِ عمل کے اظہار کے لیے میدانِ کار بھی تلاش کرتا ہے۔ اور اس کا میدانِ کار باطل کا استیصال اور حکمِ حق کا اجراء ہوتا ہے جس کی ابتداء کلمہ توحید کی اشاعت اور خدا کی محبت کی دعوت سے ہوتی ہے' کیونکہ اپنے محبوب کی طرح وہ بھی چاہتا ہے کہ نوعِ انسانی اپنی منزلِ کمال کو پہنچے۔ اس کا مقصدِ حیات وہی ہوتا ہے جو اس کے محبوب کا مقصد ہے۔ لہٰذا جب تک اس کائنات میں خدا کا مقصد پورا نہیں ہوتا اس وقت تک اس کے عاشق کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا اور خدا کا مقصد نوعِ بشر کی تکمیل ہے' جو خدا کے قولِ کُن سے ہو رہی ہے۔ خدا کی محبت میں خدا کے مقصد کی محبت بھی شامل ہے' لہٰذا مومن خدا کے قولِ کُن کا ممد و معاون بنتا ہے اور خدا کے بندوں کو خدا کی محبت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی دعوت کو مؤثر اور کامیاب کرنے کے لیے اپنے عمل کی قوتوں کو' جو خدا کی محبت سے مزید قوت پا کر درجۂ کمال کو پہنچ چکی ہوتی ہیں' ہر ممکن طریق سے کام میں لاتا ہے اور ایسا کرنا اس کی اپنی آرزوئے حسن کی تشفی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق پہلے خود بدل جاتا ہے' اس لیے وہ دنیا کو بھی بدل سکتا ہے اور بدلتا ہے۔ پہلے وہ خدا کے جمال کا نقش اپنی جان میں پیدا کرتا ہے اور اس کے بعد اس نقشِ جمال کو دنیا میں عام کر دیتا ہے۔

خدا کے دو(۲) مختلف قسم کے عاشق

ایک[۱] خدا کا عاشق وہ ہے جو خدا کی محبت سے سرشار ہو کر "اللہ ھو" کا نعرہ لگاتا ہے لیکن پھر

خاموش ہوکر دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اپنی خاموش گوشہ نشین محبت کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھتا ہے۔ وہ عبادت اور ریاضت تو کرتا ہے لیکن خدا کی محبت سے قوت پاکر باطل سے ٹکر نہیں لیتا اور خدا کا حکم دنیا میں جاری نہیں کرتا۔ حیدر کرارؓ کی طرح جَو کی روٹی تو کھاتا ہے لیکن آپؓ کی طرح خیبر فتح کرنے کے لیے نہیں نکلتا، بلکہ ایک راہب کی طرح کسی خانقاہ کے گوشۂ عزلت میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور بادشاہت سے گریز کرتا ہے۔ دوسرا عاشقِ خدا وہ ہے جس کے نعرۂ ہُو سے کائنات ہل جاتی ہے اور اس کی قیادت کی تمنا میں اس کے کوچہ کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ وہ باطل سے ٹکراتا ہے تاکہ اسے ملیا میٹ کرکے دنیا میں خدا کا حکم جاری کرے۔ وہ باطل کی دنیا کو اپنا شکار سمجھتا ہے اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے، چونکہ وہ خدا کا وہ کام کرتا ہے جس کا انجام پانا بالقوہ کائنات کی فطرت میں ہے اور جو ہر حالت میں انجام پاکر رہے گا۔ وہ کائنات کے ارتقاء کی قوتوں کو، جو کائنات کے اندر مخفی ہیں، اپنے ساتھ شریکِ کار بنالیتا ہے۔ لہٰذا اس کی تدبیر خدا کی تقدیر سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ عصرِ جدید کی دنیا جس میں دہریت، مادیت اور کفر والحاد کا دَور دَورہ ہے، ایسے عاشق کے لیے ایک زبردست چیلنج کا حکم رکھتی ہے۔ اسے چاہیے کہ اس چیلنج کو قبول کرے اور عصرِ جدید کو مشرف بتوحید کرکے دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدل دے۔ اقبال حلّاج کی زبان سے جس نے 'انا الحق' کہا تھا ان حقائق کی تلقین کرتا ہے۔ کیونکہ انا الحق (میں خدا ہوں) کہنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان دنیا میں وہ کام کرے جو خدا کر رہا ہے اور اس طرح سے خدا کا معاون اور شریکِ کار بن جائے۔ لہٰذا ان کی حقائق کی تلقین حلّاج ہی کر سکتا تھا۔ اس طریق سے اقبال نے حلّاج کے قولِ انا الحق کو، جسے لوگوں نے کفر قرار دیا تھا ایک نئے معنی پہنائے ہیں جو اسلام کے مطابق ہیں۔

نقشِ حق اوّل بجاں انداختن — باز اُو را در جہاں انداختن
نقشِ جاں تا در جہاں گردد تمام — می شود دیدارِ حق دیدارِ عام
اے خنک مردے کہ از یک ہُوئے اُو — نُہ فلک دارد طوافِ کوئے اُو
وائے درویشے کہ ہوئے آفرید — باز لب بربست و دم در خود کشید
حکمِ حق را در جہاں جاری نہ کرد — نانے از جَو خورد و کراری نہ کرد

خانقاہے جُست واز خیبر رمید — راہبی ور زید و سلطانی ندید
نقشِ حق داری بہ جہاں نخچیرِ تُست — ہم عناں تقدیر با تدبیرِ تُست
عصرِ حاضر با تو مے جوید ستیز
نقشِ حق برلوحِ ایں کافر بریز!

مسلمانوں کا قومی نصب العین

کلمۂ توحید کی نشرواشاعت مسلمانوں کا فطری مقصدِ زندگی اور قومی نصب العین ہے۔ کائنات میں مسلمان قوم کے وجود کا دار و مدار کلمۂ توحید کی نشر و اشاعت پر ہے۔ اگر وہ توحید کی نشرواشاعت نہ کرے گی تو کائنات اپنے کمال کی طرف ارتقاء نہیں کر سکے گی۔ لیکن چونکہ کائنات کا ارتقاء ضرور جاری رہے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو مسلمان قوم ضرور کلمۂ توحید کی عالمگیر اشاعت کا کام کرے گی اور یا پھر ربِّ کائنات اسے مٹا کر ایک اور قوم پیدا کرے گا جو اس کام کو انجام دے گی لیکن کلمۂ توحید کی عالمگیر اشاعت اور قبولیت عالمِ انسانی کی تاریخ کا ایک ضروری باب ہے جو ہر حالت میں اس تاریخ کے اندر لکھا جائے گا، خواہ اس باب کا مرکزی کردار موجودہ مسلمان قوم ادا کرے یا اس کی جگہ لینے والی کوئی اور مسلمان قوم۔ کلمۂ توحید کی عالمگیر اشاعت کائنات کے ارتقاء کی ایک ضروری منزل ہے جس سے کائنات ہر حالت میں گزرے گی، خواہ اس منزل کی راہ نمائی ہم کریں یا ہمارے مٹنے کے بعد کوئی اور قوم، جو ہم سے زیادہ خدا سے محبت کرتی ہو اور خدا کے دین کی نشرواشاعت کے لیے ہم سے زیادہ مستعد اور سرگرمِ عمل ہو۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ایک طرف سے تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان قوم دنیا کی تمام قوموں سے بہتر قوم ہے جو لوگوں کی راہ نمائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ سچے خدا پر ایمان رکھتے ہیں (وہ ایمان جو نیک و بد کی تمیز کا واحد معیار اور اس تمیز کو جامۂ عمل پہنانے کا ایک ہی محرک ہے) اور اس بنا پر نیک کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں۔ (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ آل عمران : ۱۱۰) اور دوسری طرف سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم خدا کے دین کو ترک کر دو گے تو خدا تمہاری جگہ ایک اور قوم لے آئے گا جو خدا سے محبت

کریں گے اور جن سے خدا محبت کرے گا، جو مومنوں کے ساتھ نرمی سے اور کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے، وہ لوگوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر خدا کے دین کو پھیلانے کے لیے جہاد کریں گے (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ۔ المائدہ : ۵۴) پھر اس وعید کے ساتھ قرآن حکیم کا یہ وعدہ بھی ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو توحید کے صحیح اور سچے نظریۂ حیات کے ساتھ بھیجا ہی اس لیے ہے کہ وہ تمام باطل نظریات پر غالب آ جائے۔ اور اگر اس بات میں کوئی شخص شبہ کرے تو اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی صداقت کی گواہی خود خدا دے رہا ہے اور خدا کی گواہی ہر گواہی سے کفایت کرتی ہے کیونکہ اس سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں (هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ الفتح : ۲۸) گویا مسلمان اگر توحید کی نشر و اشاعت کے لیے کام کریں تو خود خدا کا وعدہ ہے کہ وہ اس مہم میں ناکام نہیں رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بڑے زور سے کہتا ہے کہ اگر مسلمان درحقیقت مسلمان ہے تو جب تک پوری دنیا سے کلمۂ توحید کی آواز بلند نہ ہو لے اسے چین سے نہیں بیٹھنا چاہیے۔

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

ارتقاء کی منزلِ مقصود

کائنات کے ارتقاء کا رُخ عقیدۂ توحید کی عالمگیر قبولیت کی طرف ہے، جو ہو کر رہے گی۔ مسلمان اس ارتقاء کا ذریعہ بننے والا ہے اور وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ بھی ہے۔ گویا توحید کے نغمے کائنات کے اندر سوتے ہوئے پڑے ہیں۔ کائنات ایک ساز ہے جو کسی زخمہ ور کا منتظر ہے اور وہ زخمہ ور مسلمان ہے۔ مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے کائنات کے خفیہ نغموں کو یعنی ارتقائے کائنات کی ممکنات کو خوب جانتا ہے اور قرآن کے علم کی وجہ سے ان کا علم اس کے خون میں رواں ہے۔ اسے چاہیے کہ کائنات کے ساز کے تاروں کو اپنی مضراب سے چھیڑ دے، پھر دیکھے کہ اس سے کتنے حسین نغمے بلند ہوتے ہیں۔ یہ ساز اسی کے لیے بنایا گیا ہے۔

اگر وہ اسے کام میں نہ لائے تو بیکار ہے۔ یعنی وہ اقوامِ عالم کا رہنما بنایا گیا ہے۔ اس کے بغیر انسانیت اپنی منزلِ مقصود کو نہیں پا سکتی۔ مسلمان قوم کی زندگی کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ خدا (اللہ اکبر یا تکبیر) پر ایمان رکھتی ہے۔ اس ایمان کے تقاضوں میں ایک بنیادی تقاضا عقیدۂ توحید کی حفاظت اور اشاعت بھی ہے۔ لہٰذا یہ تقاضا اس کی زندگی کا فطری مقصود ہے جسے وہ ترک کرے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمان قوم چہرۂ ہستی کی رونق اور قرآن کی آیتِ کریمہ "لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" کے مطابق اقوامِ عالم کی راہ نما ہے۔

نغمہ ہایش خفتہ در سازِ وجود — جویدت اے زخمہ در سازِ وجود
صد نوا داری چو خوں در تن رواں — خیز و مضراب بہ تارِ او رساں
زانکہ در تکبیر رازِ بودِ تست — حفظ و نشرِ لا الٰہ مقصودِ تست
تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے — گر مسلمانی نیا سائی دمے
آب و تابِ چہرۂ ایّام تو — در جہاں شاہد علی الاقوام تو

مسلمان سازِ کائنات کا مضراب ہے

قرآن حکیم میں ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرۃ، ۱۴۳) (اور اسی طرح سے ہم نے تم کو تاریخِ عالم کے وسط میں آنے والی امّت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے خدا کی ہدایت کے پہنچنے کی گواہی دو اور رسول تمہارے سامنے خدا کی ہدایت کے آنے کی گواہی دے) مراد یہ ہے کہ جس طرح سے رسول پر یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ وہ خدا کی ہدایت تم تک پہنچاتے اسی طرح سے تم پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ تم خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچاؤ۔ اور تمہیں ایک ایسی اُمّت بنایا گیا ہے جو نوعِ انسانی کی تاریخ کے وسط میں آئی ہے تاکہ تم اس فرض کو بطریقِ احسن ادا کر سکو۔ کیونکہ ایک طرف سے تو تم پہلے انبیاء کی امتوں میں سے جو قدیم زمانہ کی امتیں ہیں، سب سے آخر پر ہو جس کی وجہ سے جو تعلیم تمہیں دی گئی ہے وہ مکمل ہے اور تا قیامت نوعِ انسانی کی راہ نمائی کے سرچشمہ کے طور پر قائم رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور دوسری طرف سے تم اپنی اسی مکمل تعلیم کی

وجہ سے آئندہ زمانہ کی نسل انسانی کے راہ نما ہو، جو تمہاری راہ نمائی کو قبول کر کے اپنے حسن و کمال کی انتہا کو پہنچے گی۔ گویا تم عہدِ قدیم اور عصرِ جدید کے درمیان ایک واسطہ یا اتصال کی کڑی ہو۔ کائناتِ رنگ و بو کوئی راز نہیں۔ یہ اس لیے وجود میں آئی ہے کہ نوعِ انسانی جو حاصلِ کائنات ہے اپنے حسن کی حالتِ کمال کو پہنچے۔ حسن نوعِ انسانی کی فطرت میں مضمر ہے اور بالقوّہ اس کے اندر موجود ہے اور نوعِ انسانی کے اپنے ہی ایک ترقی یافتہ عنصر کی راہ نمائی سے، جسے مسلمان قوم کہا جاتا ہے، بالفعل اور آشکار ہوگا۔ یہ کائنات گویا ایک ساز ہے جو اس بات کا منتظر ہے کہ اس کا ماہرِ زخمہ ور آئے اور اپنے مضراب سے اس کے تاروں کو چھیڑے اور ان دلکش اور دلنواز نغموں کو بلند کرے جو اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اور وہ ماہرِ زخمہ ور مسلمان ہے۔

جہانِ رنگ و بو پیدا تو مے گوئی کہ راز است ایں
یکے خود را بتارش زن کہ تو مضراب و ساز است ایں

عقیدۂ توحید کی دِلکشی اور فطرتِ انسانی کے ساتھ اور تمام علمی اور سائنسی حقائق کے ساتھ اس کی مطابقت اور ہم آہنگی مسلمان کے پاس ایک زبردست قوتِ تسخیر ہے جس سے وہ پوری دنیا کو بے تیغ و تفنگ اور پُرامن طریق سے فتح کر سکتا ہے۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

عقیدۂ توحید کی دِل کشی کا دار و مدار

لیکن عقیدۂ توحید کی ساری دل کشی کا دار و مدار اس حقیقت پر ہے کہ خدا نہ صرف انسان کی آرزوئے حسن کا واحد مقصود اور مطلوب ہے، بلکہ خدا کی صفات کا حسن مظاہرِ قدرت میں آشکار ہے۔ اور ہم مظاہرِ قدرت میں اس حسن کا مشاہدہ کر کے خدا کو جان سکتے ہیں اور خدا کے ساتھ اپنی محبت کو فروغ دے سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم مظاہرِ قدرت کے مشاہدہ سے حاصل ہونے والے علم سے (جسے آجکل سائنسی حقائق کا نام دیا جاتا ہے) خدا کے عقیدہ کو الگ کر لیں تو خدا کے عقیدہ کی جاذبیت اور دل کشی باقی نہیں رہتی اور وہ تسخیرِ قلوب کے ذریعے کے طور پر پوری طرح سے مؤثر نہیں رہتا اور اس

کی نشر و اشاعت جلد کامیاب نہیں ہوتی۔ یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم نے خدا کے عقیدہ کو مظاہرِ قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ کے ذریعے سے سمجھنے پر زور دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ توحید کی نشر و اشاعت کے ضمن میں اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ اگر عقیدۂ توحید (عشق) کو سائنس (زیرکی) کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو پھر اس کی کشش دنیا کے اندر ایک انقلاب پیدا کر دیتی ہے اور ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ اٹھیں اور عقیدۂ توحید اور سائنس کو آپس میں ملا کر اسلام کے حق میں ایک عالمگیر ذہنی انقلاب بپا کریں

عشق چوں با زیرکی ہمبر بود　　نقشبندِ عالمِ دیگر شود
خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ　　عشق را با زیرکی آمیزدہ

مستقبل کا طریقِ کار

اقبال کے اس مشورہ کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی یونیورسٹیوں کے لیے سائنسی علوم کی نصابی کتابوں کو دوبارہ اس طرح سے لکھیں کہ خدا کا عقیدہ ان علوم کا مدار و محور بن جاتے۔ اگر آج ہم اپنے فطری مقصدِ حیات کو جس پر ہماری زندگی کا دار و مدار ہے یعنی کلمۂ توحید کی نشر و اشاعت کو اپنا قومی نصب العین بنالیں تو ہم نہ صرف اندرونی طور پر پوری طرح سے متحد اور منظم ہو سکتے ہیں بلکہ کلمۂ توحید کی مؤثر نشر و اشاعت کی غرض سے عقیدۂ توحید کو سائنس کے ساتھ ملا کر ہم تسخیرِ قلوب اور فتحِ بلاد کی ایک ایسی قوت پیدا کر سکتے ہیں جس کے سامنے ایٹمی ہتھیاروں کی قوت بھی بیکار نظر آتے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں طبیعیات، حیاتیات اور نفسیات کے تمام حقائق عقیدۂ توحید کی علمی عقلی تائید کے لیے مہیا ہو جاتے ہیں جس سے عقیدۂ توحید ایک یقین پر مجبور کرنے والی حقیقت بن جاتا ہے۔ ایک قوم کسی مقصدِ حیات کے ماتحت ہی متحد ہو سکتی ہے جس قوم کا کوئی مقصد نہ ہو یا جس قوم کا مقصدِ حیات ایسا ہو کہ اس کی سمجھ میں نہ آسکتا ہو اور اس میں محبت کی گرمی اور عمل کا جوش پیدا نہ کر سکتا ہو تو وہ قوم متحد نہیں ہو سکتی۔ توحید کی نشر و اشاعت ایک ایسا مقصد ہے جو ہمارے لہو کو گرما سکتا ہے جب تک ہم اس سے غافل رہیں گے ہم دنیا میں اپنا رول ادا نہیں کر سکیں گے اور دنیا میں اوّل درجہ کی قوم شمار نہیں ہو سکیں گے۔ اقبال نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسلمان توحید کی نشر و اشاعت کو اپنا قومی نصب العین بنائیں، تاکہ وہ ان کے اتحاد اور ان کی زندگی دونوں کا ضامن ہو۔

چوں ز ربطِ مدّعائے بستہ شد — زندگانی مطلعِ برجستہ شد
مدّعا رازِ بقائے زندگی — جمعِ سیمابِ بقائے زندگی

یہ دَور اپنے براہیم کا منتظر ہے

لیکن عقیدۂ توحید کی نشر و اشاعت ہمیشہ تحریر و تقریر کے پُر امن طریق سے جاری نہیں رہتی، بلکہ اس کے دَوران میں زود یا بدیر ایسے مواقع پیش آتے ہیں جب باطل کی تشدّد پسند قوتیں مومن کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں۔ ایسی حالت میں مومن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ان تشدّد کی رکاوٹوں کو تشدّد ہی سے دُور کرے اور وہ اس ہمّت آزما صورتِ حال کے لیے پہلے سے تیار ہوتا ہے لہٰذا جب یہ صورتِ حال پیش آتی ہے تو وہ اپنی پُوری قوّت سے باطل کی رکاوٹوں کا مقابلہ کر کے ان کو نیست و نابُود کر دیتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ ایک علمی نظریہ ہی نہیں بلکہ باطل کے لیے دعوتِ مبارزت بھی ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ میں خدا سے اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میرے بس میں ہے میں معبودانِ باطل کو، جو اس دنیا میں عالمِ انسانی کی بہترین ترقی اور خوشحالی اور اگلی دنیا میں ان کی بہترین راحت اور مسرت پیدا کرنے والے میرے اور میرے محبوب کے مشترک مقصدِ حیات کے راستہ میں حائل ہیں، ملیا میٹ کر کے رہوں گا اور دنیا سے ایک ہی سچّے خدا کو منوا کے رہوں گا۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اس کوشش میں اپنی جان تک قربان کر دُوں گا، تاکہ بحیثیت ایک مسلمان کے خدا اور انسان کی طرف سے جو فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان سے سُبک دوش ہو جاؤں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کے عقیدۂ توحید کے اندر ہی یہ بات مضمر ہے کہ وہ نہ صرف خود خدا پر ایمان لائے، بلکہ تمام انسانوں کو، جو خدا سے برگشتہ ہو چکے ہیں، خدا پر ایمان لانے کی دعوت دے۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو دوسرے نظریات کے ساتھ اس کا تصادم ہو جاتا ہے اور اس تصادم میں غالب آنا اُسے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیاسائی دمے

اس لیے لا الٰہ الا اللہ کہنا کوئی آسان کام نہیں، بلکہ یہ کہنے کے بعد جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا عہد ہے جسے نبھانے کی مشکلات ایک انسان کو لرزہ براندام کر دیتی ہیں۔ یہ خدا کو جان دینے کا عہد ہے اور خدا نے خود اس عہد کا ذکر کیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ خدا نے مومنوں کی جانوں کو اور اُن کے مالوں کو جنّت کی قیمت ادا کر کے خرید لیا ہے۔ لہٰذا خدا پر ایمان لانے کے بعد نہ اُن کی جانیں اپنی ہیں اور نہ اُن کے اموال اپنے ہیں۔

چو مے گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

مومن کے عقیدۂ توحید کے اندر یہ اقرار پوشیدہ ہے کہ جہاں تک اس کا بس چلے گا وہ معبودانِ باطل کو ملیا میٹ کر کے ایک ہی معبودِ برحق کی عبادت اور اطاعت کو دنیا میں باقی رکھے گا، خواہ اس غرض کے لیے اُسے جان کی قربانی دینی پڑے۔ اور مومن کی بے پناہ قوتِ عمل، جو خودی کے نقطۂ کمال پر یعنی 'لا الٰہ الا اللہ' پر ایمانِ کامل حاصل کر لینے کے بعد اُسے حاصل ہوتی ہے، اس اقرار پر عمل کا کام اس کے لیے آسان کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کہتا ہے کہ لا الٰہ کا قول ایک قول نہیں بلکہ ایک بے نیام تلوار ہے جو باطل کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

ایں دو حرفِ لا اِلٰہ گفتار نیست
لا اِلٰہ جز تیغِ زنہار نیست

'لا اِلٰہ اِلاّ اللہ' کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن اس دنیا کو ایک بتکدہ سمجھے اور اپنے آپ کو ابراہیمؑ خلیل اللہ کی طرح کا بُت شکن۔ اور اس بات کے لیے تیار رہے کہ وہ خلیل اللہ ہی کی طرح کسی وقت آگ میں ڈالا جائے گا۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا اِلٰہ میں ہے

افسوس ہے کہ ابھی تک بُت پرستی کے اس دَور کا ابراہیم پیدا نہیں ہوا جو اس دنیا کو ایک صنم کدہ سمجھے اور اس کے بُتوں کو توڑ کر فنا کر دے۔

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا اِلٰہ اِلاّ اللہ!

(باقی صفحہ ۲۳ پر)